دعوت وتبلیغ کے نبوی اسالیب

جناب محمد جنید انور

دعوت وتبلیغ کے اصول وآداب کے سلسلے میں قرآن وحدیث میں بنیادی باتیں مذکور ہیں۔ اس میدان میں سرگرم عمل رہنے والوں کے لیے رہ نمائی کا ایک اہم اور وسیع ذریعہ خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ سیرتِ نبوی کے قدیم وجدید لٹریچر میں اس موضوع پر خاصا مواد ملتا ہے کہ آپؐ نے یہ کارنبوت کیسے انجام دیا؟ اور اس کی ادائی میں کن اسالیب وآداب کو ملحوظ رکھا۔ دعوت کے موضوع پر اردو زبان میں جو چند کتابیں پائی جاتی ہیں، ان میں صدرِ ادارہ مولانا سید جلال الدین عمری کی کتاب 'اسلام کی دعوت' بہت اہمیت کی حامل ہے۔ اس کا شمار علمی و دینی حلقوں میں دعوتی لٹریچر کی زوردار اور مؤثر ترین کتابوں میں کیا گیا ہے۔ اس کے ابتدائی مباحث 'رسولوں کا کام اور اس کی نوعیت' اور 'محمد ﷺ کا عظیم کارنامۂ دعوت' اور کتاب کے دیگر حصوں میں دعوتِ نبوی کے اسالیب پر اہم نکات بیان کیے گئے ہیں۔ زیرنظر مقالہ میں بھی اس موضوع پر بعض مفید معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ (معاون مدیر)

دعوت وتبلیغ اسلام کا ایک اہم فریضہ پہلے بھی تھی، اب بھی ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ یہ فریضہ ہر ایک کلمہ گو مومن کی حیات اور اس کی ہستی کا مقصدِ وحید ہے۔ گزشتہ تمام انبیاء کرام کی بعثت کسی خاص قوم یا علاقے کی جانب ہوا کرتی تھی، لیکن خاتم النبیین ﷺ کی بعثت عام تھی اور آپ پر اتارا گیا دین آفاقی اور غیر زمانی ہے۔ اسی لیے اسلام کا دعوتی عمل ہر دور اور ہر حال میں جاری رہنا چاہیے، تاکہ اس کا پیغام ہر

دور میں تمام نسلوں تک پہنچ سکے۔ اس بات پر پوری دنیا کے مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ مگر یہ کام کیسے ہو؟ اوراس کے لیے کون سا منہج اور حکمت عملی اختیار کی جائے؟ اس بارے میں مختلف نقطہ ہائے نظر پائے جاتے ہیں۔

ذیل کے صفحات میں دعوت وتبلیغ کی حکمت عملی کو نبوی ارشادات اور سیرت کی جھلکیوں کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

دعوت وتبلیغ کی اہمیت، سیرت نبوی کی روشنی میں

رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ کا مطالعہ کیا جائے تو آپ ہمہ وقت داعی کی حیثیت سے نظر آتے ہیں۔ ایک جانب آپؐ عرب کے بازاروں میں (جو خاص ایام میں خاص علاقوں میں لگتے تھے اور عربوں کے باہمی تعلقات کی تجدید اور ملاقات و تبادلۂ خیالات کا اہم ذریعہ تھے) دعوت دین پھیلاتے ہوئے نظر آتے ہیں، دوسری جانب منیٰ میں لوگوں کے سامنے یہ اعلان کرتے ہیں: ''لوگو! اللہ عزوجل نے تمہیں یہ حکم دیا ہے کہ صرف اسی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ''۔ کبھی سوق ذی المجاز میں مجمع کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں: ''**قولوا لا الہ الا اللہ تفلحوا**'' (**لا الہ الا اللہ** کہہ دو، فلاح یاب ہو جاؤ گے)۔ اس کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ آپؐ خود اپنی ذات، سیرت اور کردار کے ذریعے اور اپنے روزمرہ کے معمولات اور اخلاق کریمانہ کی وساطت سے ہمہ وقت اسلام کے آفاقی پیغام کو خلق خدا تک پہنچانے میں مصروف رہے اور یہی اسوہ آنے والی نسلوں کے لیے چھوڑا ہے۔ یہ صرف آپؐ ہی کی ذات اقدس ہے جس نے ایک ایک قبیلے کے پاس جا کر پیغام حق پہنچایا، مکہ سے مدینے ہجرت کی، تبلیغ دین کی پرامن آزادی حاصل کرنے کے لیے تلوار اٹھائی اور دوسرے ملکوں میں مبلغ بھیجے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آپؐ نے بار بار یہ ارشاد فرمایا: **اَلاھَل بلّغت؟** (کیا میں نے تم تک دین کا پیغام پہنچا دیا ہے؟) بعدازاں فرمایا: جو یہاں موجود ہے اسے غیر موجود تک پہنچانا چاہیے۔[1]

آں حضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

والذی نفسی بیدہ لتامرنّ بالمعروف ولتنھونَ عن المنکر ولیو شکنَ اللّٰہ ان یبعث علیکم عذاباً منہ فتد عونہ فلا یستجیب لکم۔۲

قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تمہیں نیکی کا حکم ضرور دیتے رہنا چاہئے اور برائی سے ضرور روکتے رہنا چاہئے، ورنہ عین ممکن ہے کہ اللہ تم پر اپنا عذاب بھیج دے، پھر تم اس کے دور ہونے کی دعا کروگے، مگر تمہاری دعا قبول نہ ہوگی۔

دعوت وتبلیغ کے نبوی اسالیب

تبلیغ و دعوت کے بنیادی طریقے یا اصول دراصل تین ہیں، جو قرآن کریم میں بھی مذکور ہیں۔ پہلے طریقے کا نام حکمت، دوسرے کا موعظہ حسنہ اور تیسرے کا جدال بہ طریق احسن ہے۔تبلیغ ودعوت کے یہ تین اصول مسلمانوں کو سکھایے گئے ہیں۔مسلمان متکلمین فلاسفہ نے بیان کیا ہے کہ تبلیغ ودعوت کے یہ تینوں اصول وہی ہیں جو منطقی استدلال میں عموماً کام میں لائے جاتے ہیں، یعنی اول: برہانیات، جن میں یقینی مقدمات کے ذریعے دعویٰ کے ثبوت پر دلیلیں لائی جاتی ہیں۔ دوم: خطابیات، جن میں موثر اور دل پذیر اقوال سے مقصود کو ثابت کیا جاتا ہے۔سوم: مناظرات، جن میں عموماً علمی اور الزامی جوابات کے ذریعے اپنے موقف کو پیش کیا جاتا ہے اور دوسرے کو اس کا قائل کیا جاتا ہے۔قرآن مجید نے پہلے طریق کو حکمت، دوسرے کو موعظہ حسنہ اور تیسرے کو جدال سے تعبیر کیا ہے۔ استدلال کے یہی وہ طریقے ہیں جن سے ایک شخص دوسرے کے سامنے اپنے مدعا کو ثابت کرتا ہے۔

ذیل میں ان تینوں بنیادی اسالیبِ دعوت اور دیگر اسالیب اور نکات کا ذکر کیا جائے گا جنہیں سیرت طیبہ کی روشنی میں دعوت وتبلیغ کی حکمت عملی میں اہمیت حاصل ہے اور کوئی بھی داعی ان کی افادیت اور اہمیت سے انکار نہیں کرسکتا۔

۱۔حکمت

حکمت ایک جامع اصطلاح ہے، اس کے تحت وہ تمام طرز ہائے عمل آجاتے ہیں جو مخاطب کو قبولِ حق پر آمادہ کریں۔ مثلاً موقع و محل کا لحاظ، مخاطب کی نفسیات، عقلی استدلال وغیرہ۳؎۔ مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ پختہ اور اٹل دلائل و براہین کی روشنی میں نہایت حکیمانہ انداز سے لوگوں کو ان کی ذہنی استعداد اور موقع و محل کو دیکھتے ہوئے اسلام کی دعوت اس طرح پیش کی جائے کہ مخاطب کے دل میں اتر جائے۔

بالفاظ دیگر حکمت دراصل یہ ہے کہ بے وقوفوں کی طرح اندھا دھند تبلیغ نہ کی جائے، بلکہ دانائی کے ساتھ مخاطب کی ذہنیت، استعداد اور حالات کو سمجھ کر نیز موقع و محل کو دیکھ کر بات کی جائے۔ ہر طرح کے لوگوں کو ایک ہی لکڑی سے نہ ہانکا جائے، بلکہ جس شخص یا گروہ سے سابقہ پیش آئے پہلے اس کے مرض کی تشخیص کی جائے، پھر ایسے دلائل سے اس کا علاج کیا جائے، جو اس کے دل و دماغ کی گہرائیوں سے اس کے مرض کی جڑ نکال سکتے ہوں۔۴؎

۲۔عمدہ نصیحت

عمدہ نصیحت یا موعظت حسنہ اس خصوصیت کا نام ہے جو دردمندی اور خیرخواہی کی نفسیات سے کسی کے کلام میں پیدا ہوتی ہے۔ مراد یہ ہے کہ کسی کی خیرخواہی کی بات اس کے سامنے، نرم خوئی، اخلاص، ہم دردی، شفقت اور حسن اخلاق سے نہایت معتدل پیرائے میں کی جائے۔ اس سے اکثر پتھر دل بھی موم ہوجاتے ہیں اور لوگ ترغیب و ترہیب کے مضامین سن کر بے تابی کے ساتھ دین حق کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ موعظت حسنہ داعی کے کلام میں وہ تاثیر پیدا کردیتی ہے جو دلوں کو پگھلا دیتی اور آنکھوں کو اشک بار کردیتی ہے۔ ایک مرتبہ ایک بدو خدمت نبوی میں حاضر ہوا۔ اس وقت آپؐ صحابہ کرام کے ساتھ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ وہ بدو مسجد کے ایک کونے میں پیشاب کرنے لگا۔ صحابہ نے دیکھا تو اسے روکنے کے لیے دوڑے اور سخت

سست کہنا شروع کر دیا۔ آپؐ نے انہیں اس سے منع کیا اور بدو کو مکمل طریقے سے حاجت پوری کر لینے دی۔ جب وہ فارغ ہوگیا تو آپؐ نے اسے بلایا۔ وہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ابھی اس نے عذرخواہی کے لیے زبان بھی نہ کھولی تھی کہ رحمتِ دو عالمﷺ نے اسے محبت اور ہم دردی سے فرمایا:

انّ هذه المساجد لا تصلح لشئ من هذا البول ولا القذر، انما هی لذکر اللّٰـه عزّ وجل والصلاة وقراءة القرآن۔[۵]	یہ مساجد ہیں۔ ان میں گندگی اور پلیدی مناسب نہیں ہے۔ یہ تو صرف نماز اور قرآن پڑھنے کے لیے ہوتی ہیں۔

۳۔ مجادلۂ احسن

مجادلہ سے مراد بحث ومناظرہ ہے۔ دعوتی امور میں پہلے تو اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ کسی مناظرے اور مباحثے کی ضرورت نہ پڑے (الحج: ۶۷-۶۹) اور اگر مناظرہ کرنا ہی پڑے تو اچھے اور احسن طریقے سے کیا جائے۔ 'بہ طریق احسن' سے مراد یہ ہے کہ اگر دعوت میں کبھی بحث ومناظرے کی ضرورت پیش آ جائے تو وہ اچھے طریقے سے ہونا چاہیے۔ علامہ آلوسی نے لکھا ہے: ''اچھے طریقے سے مراد یہ ہے کہ گفتگو میں لطف اور نرمی اختیار کی جائے، دلائل ایسے پیش کیے جائیں جنھیں مخاطب آسانی سے سمجھ سکے، دلیل میں وہ مقدمات پیش کیے جائیں جو مشہور ومعروف ہوں، تاکہ مخاطب کے شکوک دور ہوں اور وہ ہٹ دھرمی کے راستے پر نہ پڑ جائے۔[۶]

۴۔ نرمی سے بات کرنا

داعی کو ہر موقع پر نرمی اور خیرخواہی سے بات کرنی چاہیے۔ بلاشبہ حق میں نرمی سے کام لینا نہایت ضروری ہے۔ آں حضرتﷺ میں یہ خصوصیت بدرجۂ اتم موجود تھی۔ حضرت مالک بن حویرثؓ بیان کرتے ہیں:

کان رسول اللّٰـه صلی اللّٰـه علیه وسلم رحیما رقیقا۔[۷]	رسول اللہﷺ رحیم المزاج اور رقیق القلب تھے۔

رحم دلی، نرمی اور رقتِ قلب اچھے انسان کی بنیادی صفات میں سے ہیں۔ ہرطرح کی اچھائی و بھلائی اس سے وابستہ ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

من یحرم الرفق یحرم الخیر ۸ جو شخص نرمی سے محروم ہے وہ بھلائی سے محروم ہے۔

ایک اور روایت میں آپؐ نے نرمی کو اللہ تعالیٰ کی صفت قرار دیا ہے۔ فرمایا:

ان اللہ رفیق یحب الرفق ویعطی علی الرفق مالا یعطی علی العنف وما لا یعطی علی ماسواہ۔ ۹ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نرم خو ہے اور نرمی کو پسند کرتا ہے اور نرم خوئی پر انسان کو وہ کچھ عطا کرتا ہے جو نہ سختی پر عطا کرتا ہے نہ اس کے سوا کسی اور چیز پر۔

یہ احادیث مبارکہ دعوتِ اسلام کے حوالے سے بھی نرمی اور نرم دلی کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہے۔ جو لوگ اصلاح وتبلیغ اور رشد و ہدایت کے سلسلے میں سرگرم ہیں ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ نرم دلی، خوش طبعی، عفو و درگزر، تلطّف و مہربانی اور حسن خلق کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہوں اور قساوت قلبی، سختی و درشتی اور شدت جیسی صفات سے دور رہیں۔ نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں بہت سے ایسے واقعات پیش آئے جب آپؐ نے دعوت وتبلیغ کے سلسلے میں نرم خوئی اور رحم دلی کا مظاہرہ کیا۔

۵۔تدریج کا لحاظ

تدریج کا مطلب یہ ہے کہ داعی یک بارگی شریعت کے تمام احکام کا بوجھ مخاطب کی گردن پر نہ لاددے، بلکہ آہستہ آہستہ اس کے سامنے سارے احکام پیش کرے۔ پہلے توحید ورسالت اور دیگر عقائد کو پیش کرنا چاہیے، اس کے بعد عبادات کو۔ عبادات میں بھی اہم تر پھر اہم کے اصول کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ سب سے اہم نماز ہے، پھر زکوۃ اور دوسرے فرائض ہیں۔ نبی ﷺ نے دعوت وتبلیغ میں ہمیشہ تدریج کا لحاظ رکھا اور دوسروں کو بھی اصولِ تدریج کی تلقین فرمائی۔ حکمتِ تبلیغ کے ضمن میں داعی کا فرض ہے کہ تدریج کے پہلو کو نظر انداز نہ کرے۔ یہ اصول فرد اور قوم دونوں

کے لیے ضروری ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

إنک ستأتی قوماً من أهل کتاب فاذا جئتهم فادعهم الی أن یشهدوا أن لااله الاالله وأن محمد اًرسول الله ﷺ فان هم اطاعوا لک بذٰلک فأخبر هم أن الله قد فرض علیکم خمس صلوات فی کل یوم ولیلة فان هم اطاعوا لک بذالک فأخبرهم أن الله قد فرض علیکم صدقة تؤخذ من اغنیائهم ، فتردّ علی فقرائهم ، فإن أطاعوا لک بذلک، فایاک و کرائم اموالهم، واتق دعوة المظلوم فانه لیس بینه و بین الله حجاب. [۱۰]

عن قریب تم اہل کتاب کی ایک قوم کے پاس پہنچو گے۔ جب تم ان کے پاس پہنچوتو سب سے پہلے ان کو یہ دعوت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ جب وہ اس میں تیری اطاعت کرلیں تو ان کو یہ بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں اور جب وہ تیری یہ بات بھی مان لیں تو ان کو اس بات کی اطلاع کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے صدقہ فرض کیا ہے۔ یہ صدقہ ان کے دولت مندوں سے لے کر ان کے غریبوں میں تقسیم کیا جائے گا اور جب وہ اس کو بھی تسلیم کرلیں تو دیکھو کہ ان کا عمدہ مال چن چن کر نہ لینا اور ہاں مظلوم کی بد دعا سے ڈرتے رہنا، کیونکہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ (رکاوٹ) نہیں ہے۔

۶۔ دعوت کی ترتیب

دعوت وتبلیغ کے لیے جہاں حکمت و تدبیر کی ضرورت ہے وہاں ترتیب کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے، ورنہ اصلاح کے بجائے بگاڑ اور انتشار کا خطرہ لاحق ہوسکتا ہے۔ قرآن مجید نے دعوت کی جوفطری ترتیب بیان کی ہے اس میں سب سے پہلا مخاطب خود انسان کی اپنی ذات ہے۔ (الصّف:۳) اس کے بعد اس بھلائی اور خیر کے سب سے زیادہ حق دار اس کے بیوی بچے ہیں (التحریم:۶) اور اس کے بعد عزیز وا قارب اور بالآخر پوری دنیا دعوت کی مخاطب ہے (الشعراء:۲۱۴) رسول اللہ ﷺ نے دعوتِ دین

میں اس ترتیب کوملحوظ رکھا۔ دعوت ہر کارکن کو متنبہ کرتی ہے کہ اس کے قول وفعل میں تضاد نہیں ہونا چاہیے اور اسے اپنے کردار کی حفاظت کرنی چاہیے، کیونکہ لوگ اس کی چال ڈھال، کردار، گفتار، غرض اس کی ہر حرکت کو اپنے لیے نمونہ اور سند سمجھتے ہیں۔

۷۔انسانی نفسیات کی رعایت

انسانی نفسیات کی رعایت کے بغیر دعوت کی کامیابی کا کوئی امکان نہیں ہے، اسی لیے آں حضرت ﷺ نے اپنے صحابہ کو دعوت کے سلسلے میں عمومی طور پر مدعو کے حالات ونفسیات کی رعایت کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

یسّروا ولا تعسّروا، و بشّروا ولا تنفّروا۔[۱۱]	لوگوں کے لیے آسانیاں پیدا کرو، ان پر تنگی مت کرو، اور انہیں خوش خبریاں سناؤ، متنفر نہ کرو۔

آپؐ نے داعیان حق کے لیے صحیح طرز عمل کی تعیین کرتے ہوئے فرمایا:

انما بُعثتم میسّرین ولم تُبعثوا معسّرین [۱۲]	تم آسانی پیدا کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو، دشواری پیدا کرنے والے بنا کر نہیں بھیجے گئے ہو۔

لہٰذا دعوت وتبلیغ کے سلسلے میں داعی کو اس اسلوب نبوی کی اتباع از حد لازم ہے کہ وہ جس ماحول میں فریضۂ دعوت انجام دے اس کے افراد کی نفسیات اور طبائع کا لحاظ رکھے، اس کی رعایت سے تبلیغ و دعوت کے عمل میں زبردست اثر انگیزی رونما ہوتی ہے اور وہ مزید طاقت ور ہوکر سامنے آتا ہے۔ گویا دعوت کی کامیابی میں مرکزی کردار داعی کا ہے۔ وہ جس قدر تربیت یافتہ اور انسانی نفسیات کا عالم ہوگا اسی قدر اس کی دعوت موثر ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ کی دعوت کے موثر ہونے کی ایک اہم وجہ آپؐ کا ذاتی کردار تھا تو دوسری بنیادی وجہ آپؐ کا اسلوبِ دعوت تھا۔ آپؐ نے ہمیشہ مخاطبین کی ذہنی استعداد، میلانات، رجحانات اور ان کے خاندانی وعلاقائی پس منظر کو سامنے رکھ کر دعوت کا کام کیا۔ سیرتِ طیبہ کے

مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کا کوئی متعین طریقِ دعوت نہ تھا، بلکہ مخاطبینِ دعوت کے تبدیل ہونے کے ساتھ ہی آپؐ کا اسلوبِ دعوت بھی تبدیل ہو جاتا تھا۔ایک جاہل، ان پڑھ اور اجڈ مخاطب کو دعوت کا انداز پڑھے لکھے اور شہر کے رہنے والے فرد سے مختلف ہوتا تھا۔

۸۔مدعو کے عقائد سے واقفیت

داعی کا فرض ہے کہ دعوت اور مخاطب کے عقائد وافکار کے درمیان قدرِ مشترک تلاش کرے اور ان کی درست باتوں کو دعوت کی بنیاد بنائے۔اگر اس اسلوب کو اختیار کیا جائے تو مخاطب کو دعوت سے مانوس کرنے میں مدد ملتی ہے اور مخاطب سمجھتا ہے کہ جو دعوت اس کے سامنے پیش کی جارہی ہے وہ کوئی بالکل ہی نئی اور اجنبی چیز نہیں ہے اور نہ اس سے کسی نئی چیز کا مطالبہ کیا جارہا ہے۔حضرت حاطبؓ نے مقوقس شاہ مصر کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی تو ساتھ ہی یہ بھی فرمایا: ’’ہم تمہیں دین مسیح سے روکتے نہیں ہیں، بلکہ ہم تو اسی کا حکم دیتے ہیں‘‘ ۱۳ یہ اس اسلوبِ دعوت کی ایک عمدہ مثال ہے۔

۹۔فطری کم زوری کا لحاظ

حکمتِ تبلیغ کو مدِّنظر رکھتے ہوئے داعی کا فرض ہے کہ وہ اگر کسی فرد یا قوم کو کسی گناہ میں مبتلا دیکھے تو اس کی فطری کم زوری کا لحاظ کرتے ہوئے اصلاح کی کوشش ترک نہ کرے، بلکہ اس کے ساتھ حقیقت پر مبنی رویہ رکھے کہ انسان فطری طور پر لاعلمی، غفلت، خواہش نفس اور نسیان جیسے عوارض کا شکار ہوکر گناہ میں مبتلا ہوسکتا ہے۔گناہ سے متعلق انسان کی فطری کم زوری کا خیال کرتے ہوئے سختی کے بجائے نرم اور مشفقانہ رویہ اختیار کرنا چاہئے، اس لیے کہ گناہ گار کے بجائے گناہ سے نفرت کرنا عقل کا تقاضا ہے اور داعی کا کام اصلاح اور جوڑنا ہے نہ کہ انتقام اور توڑنا۔آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

كل بنى آدم خطّاء و خير الخطّائين التوّابون ۱۴

تمام بنی آدم خطا کار ہیں، اور بہترین خطا کار وہ ہیں جو توبہ کر لیتے ہیں۔

۱۰۔ جبر و اکراہ سے اجتناب

نبی کریم ﷺ نے دین اسلام کی دعوت وتبلیغ میں کبھی جبر و اکراہ اور زبردستی کا راستہ اختیار نہیں کیا اور اپنے صحابہ کو بھی اس سے منع فرمایا۔ کیونکہ اسلام دینِ فطرت ہے اور ہر انسان فطری طور پر اسلام کی محبت اپنے دل میں رکھتا ہے۔ نیز ایمان اسلام کا اہم ترین جزو ہے اور ایمان یقین کا نام ہے۔ دنیا کی کوئی بھی طاقت کسی انسان کے دل میں یقین کی معمولی سی مقدار بھی زبردستی پیدا نہیں کرسکتی۔ اس لیے دین اسلام کی واضح ہدایت ہے:

لاَ إِكْرَاهَ فِيْ الدِّيْنِ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (البقرۃ:۲۵۶)

دین میں زبردستی نہیں ہے، تحقیق ہدایت گم راہی سے الگ ہوچکی ہے۔

درس گاہ نبوی کے فیض یافتہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے:

حدّثِ الناس كل جمعة مرة، فان أبيت فمرتين، فان اكثرت فثلاث، فلا تملّ الناس هذا القرآن ولا الفينّك تأتى القوم وهم فى حديث من حديثهم فتُقصّ عليهم فتقطع عليهم حديثهم فتملّهم، ولكن انصت، فاذا أمروك فحدّثهم و هم يشتهونه۔[۱۵]

لوگوں کو جمعہ جمعہ دین کی بات سنایا کرو، اگر اس سے زیادہ ہو تو ہفتہ میں دو بار، اگر اس سے بھی زیادہ کرنا چاہو تو تین بار اور لوگوں کو اس قرآن سے بیزار نہ کرو۔ ایسا ہرگز نہ ہو کہ تم لوگوں کے پاس ایسے وقت میں جاؤ جب وہ اپنی کسی اور دلچسپی میں ہوں اور اس وقت ان کو دین کی بات سنانا شروع کردو، جس سے ان کی مصروفیات میں رکاوٹ آجائے اور اس کے نتیجے میں ان میں بے زاری پیدا ہو۔ بلکہ ایسے موقع پر خاموش رہو، یہاں تک کہ لوگ تم سے خواہش کریں تب ان کو سناؤ، تاکہ وہ تمہاری بات رغبت سے سنیں۔

۱۱۔ ذہنی آمادگی

دعوت وتبلیغ کے لیے ذہنی آمادگی اولین شرط ہے۔ جب کوئی شخص کسی مسئلہ کو جاننے کی کوشش کرے یا اس کا دل اس کی طرف متوجہ ہو، اس وقت مسئلہ بتانے سے اس کا اثر زیادہ ہوتا ہے اور وہ بات پختگی سے ذہن نشین ہوجاتی ہے۔ اس لیے کارِدعوت میں مشغول ہر شخص کو مخاطب کی ذہنی آمادگی کا لحاظ رکھنا چاہیے، تاکہ اس کی دعوت مؤثر ہو۔ درس گاہ نبوی سے علم کی کرنیں حاصل کرنے والے نفوس قدسیہ بھی اس بات کا اہتمام فرماتے تھے کہ علم اور دعوت ہر کسی کو نہ دی جائے، بلکہ اس کے لیے مدعو کی شخصیت کا جائزہ لیا جائے اور اس میں طلب اور آمادگی دیکھنے کے بعد ہی اسے علم اور دین کی دعوت دی جائے۔[۱۶]

۱۲۔ اچھے اخلاق کا مظاہرہ

حسن خلق بھی ایمان کے ان شعبوں میں سے ہے، جن کا تعلق دوسرے لوگوں سے ہے، اگرچہ اس کے اثرات، ثمرات و برکات سے خود صاحب اخلاق ہی سب سے زیادہ فائدہ اٹھاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ حسن اخلاق کے اتنے عظیم مرتبے پر فائز تھے کہ خود قرآن نے اس کی گواہی دی ہے:

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (القلم:۴) آپ تو بلاشبہ خلق عظیم پر فائز ہیں۔

آپ ﷺ نے اخلاق حسنہ پر اس قدر زور دیا ہے کہ اسے اپنی بعثت کا ایک اہم مقصد قرار دیا ہے، فرمایا:

بُعثت لاتمّم حسن الاخلاق۔[۱۷] میں حسن اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا ہوں۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ایک شخص نے آں حضرت ﷺ سے حاضری کی اجازت چاہی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ شخص اپنے قبیلے کا بہت برا آدمی ہے، پھر اسے حاضری کی اجازت دے دی اور اس کے اندر آنے پر اس کے ساتھ نہایت

نرمی سے باتیں کیں۔ جب وہ شخص چلا گیا تو میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ آپؐ نے پہلے تو اس کے بارے میں یہ کچھ ارشاد فرمایا تھا، مگر پھر اس سے اس قدر نرمی کے ساتھ بات چیت کی، یہ کیا بات ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

یا عائشة انّ من شرّ الناس من ترکه الناس او ودعه الناس اتّقاء فحشه۔۱۸؎

اے عائشہ! لوگوں میں سے بدترین شخص وہ ہے، جسے لوگ اس کی بدکلامی کی وجہ سے چھوڑ دیں۔

۱۳۔ مناسب وقت کا انتظار

یہ بات بھی حکمت تبلیغ کے خلاف ہے کہ دعوت کے لیے ایسا طریقہ اختیار کیا جائے کہ وہ لوگوں کے لیے بوجھ بن جائے اور وہ اس سے گھبرانے لگیں۔ دعوت دین کے ہر کارکن کو اپنے گردوپیش کا پوری ہوشیاری اور مستعدی سے جائزہ لیتے رہنا چاہیے کہ دعوت کی تخم ریزی کے لیے جیسے ہی مناسب موقع ہاتھ آئے وہ بڑی ہوشیاری کے ساتھ اس سے فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ لوگوں کو ہر جمعرات کو وعظ و نصیحت کیا کرتے تھے۔ ایک شخص نے ان سے کہا: اے ابوعبدالرحمٰن! ہماری خواہش ہے کہ آپ روزانہ نصیحت کیا کریں۔ انہوں نے کہا: میں ایسا اس وجہ سے نہیں کرتا کہ کہیں تم پر بوجھ نہ بن جاؤں۔ میں بھی اسی طرح ناغہ کر کے تمہیں نصیحت سناتا ہوں، جس طرح رسول اللہ ﷺ کیا کرتے تھے، تاکہ ہم بیزار نہ ہو جائیں۔۱۹؎

۱۴۔ تالیف قلب

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

اَلاوَانّ فی الجسد مضغة اذا صلُحت صلُح الجسد کله واذا فسدت فسد الجسد کله، الاوهی القلب۔۲۰؎

آگاہ رہو کہ بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے۔ جب وہ سنور جاتا ہے تو تمام بدن سنور جاتا ہے۔ اور جب وہ خراب ہو جاتا ہے تو تمام بدن خراب ہو جاتا ہے۔ سنو! وہ ٹکڑا دل ہے۔

اس حقیقت سے مفر نہیں کہ دل انسانی جذبات کا مرکز ہے۔ داعی جب مدعو کے دل کو متاثر کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو وہ یقینی طور پر اسے صراطِ مستقیم پر گامزن کرنے میں کامیابی حاصل کر لیتا ہے۔ چناں چہ رسول اللہ ﷺ نے کئی شدید ترین دشمنوں کو محض تالیف قلب کے ذریعے حلقہ بگوش اسلام کر لیا۔ آپؐ نے غزوۂ حنین میں ملنے والے مال غنیمت کو رؤساء مکہ میں ان کی تالیف قلب کی خاطر تقسیم کر دیا۔ چنانچہ مکہ کے کئی سرداروں نے اسی جذبے سے متاثر ہو کر صدق دل سے اسلام قبول کر لیا۔ صفوان بن امیہ، جو زمانۂ جاہلیت میں اسلام اور رسول اللہ ﷺ کے جانی دشمن تھے، فرماتے ہیں:

واللہ لقد اعطانی رسول اللہ ما اعطانی، وانہ لأبغض الیّ، فما برح یعطینی حتی إنّہ لأحبّ الناس الیّ۔[۲۱]	اللہ کی قسم! رسول اللہؐ نے مجھے اتنا دیا جس کی کوئی حد نہیں، جب کہ مجھے آپؐ سے سخت بغض تھا، آپؐ مجھے دیتے رہے یہاں تک کہ آپؐ مجھے تمام انسانوں سے زیادہ محبوب ہو گئے۔

۱۵۔ مدعو کی خیر خواہی

داعی کی حیثیت ایک مہربان استاد اور مربی کی سی ہوتی ہے۔ اس کا اپنے مخاطبین سے ایسا رویہ، جس میں خیر خواہی، اپنائیت، محبت اور حوصلہ افزائی کا رنگ نمایاں ہو، دعوت کی کامیابی میں اولین پتھر کا کام دے سکتا ہے۔ یہی چیز بسا اوقات مدعو کو داعی کے اس قدر قریب کر دیتی ہے کہ اس کے بعد دعوت کا کام آسان ہو جاتا ہے۔ حضرت تمیم داریؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: **الدین النصیحۃ.** (دین تو خیر خواہی کا نام ہے)۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: کس کی خیر خواہی؟ آپؐ نے فرمایا:

للّہ و لکتابہ ولرسولہ ولائمۃ المسلمین وعامّتہم۔[۲۲]	اللہ کی، اس کی کتاب کی، اس کے رسول کی، مسلمانوں کے حاکموں کی اور عام مسلمانوں کی۔

ہم دردی اور خیر خواہی کی صفات اسلام کی مسلّمہ اخلاقی تعلیمات میں سے ہیں۔ اس کا خلاصہ وہی ہے، جو نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے **الدین النصیحۃ** کے ذریعے بیان فرمایا کہ پورا دین اسلام ہی خیر خواہی کا نام ہے: اپنی خیر خواہی، اپنے متعلقین کی خیر خواہی، اپنے حکم رانوں اور ماتحتوں کی خیر خواہی، پھر دین اسلام کی، اس کے شعائر وعلامات اور متعلقات کی خیر خواہی اور پھر عامۃ الناس کی، اللہ کی ساری مخلوق کی خیر خواہی۔ یہی اسلامی تعلیمات کا خلاصہ ہے اوران ہی پر عمل پیرا ہونے کی اسلام تلقین کرتا ہے۔ اسی مفہوم کو آں حضرت ﷺ نے دوسری جگہ اس طرح بیان فرمایا ہے:

الخلق کلّھم عیال اللہ، فأحبّ الخلق الی اللہ من أحسن الی عیالہ. ۲۳	تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اور اللہ کے نزدیک محبوب وہ ہے جو اس کے کنبے کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔

اس حدیث میں بھی نبیٔ اکرم ﷺ نے تمام مخلوق کی خیر خواہی، ان سے ہم دردی اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کی تلقین فرمائی ہے۔ خیر خواہی کا یہ آفاقی جذبہ ہی دراصل اسلامی اخلاقیات کی اساس، معاشرت کی جان اور دعوت وتبلیغ کی شان ہے۔

۱۶۔ مختصر اور دل نشیں بیان

دعوت وتبلیغ کو موثر بنانے کے لیے مضامین دعوت کا واضح، دوٹوک اور مختصر ہونا بھی ایک بہترین اسلوب ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے دعوتی وتبلیغی خطبات میں فصاحت وبلاغت کے ساتھ ساتھ ایجاز واختصار کی جھلک بڑی نمایاں ہوتی تھی۔ آپؐ دعوتی عمل میں مصروف حضرات صحابہ کو مختصر بات اور خطبے کی ترغیب دیتے اور خود بھی اس پر عمل فرماتے تھے۔ ابو وائل بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عمار بن یاسرؓ نے ہمیں مختصر، لیکن فصیح وبلیغ خطبہ دیا۔ لوگوں نے ان کے بیان کی خوب تعریف کی اور ساتھ ہی یہ بھی خواہش کی کہ کچھ مزید بیان فرمائیں۔ انھوں نے جواب دیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

ان طول صلاۃ الرجل وقصر خطبته مئنة من فقهه، فاطیلوا الصلوۃ واقصروا الخطبة۔۲۴

میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ نماز کو طول دینا اور خطبہ کو مختصر کرنا انسان کی سمجھ کی علامت ہے، پس تم نماز کو لمبا کرو اور خطبہ مختصر دیا کرو۔

مسجّع اور مقفّی عبارتوں اور ان کی خاطر گفتگو کو طول دینے سے بھی منع کیا گیا ہے۔حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:

انظر السجع من الدعاء فاجتنبه، فانی عهدت رسول الله ﷺ وأصحابه لایفعلون ذلک ۔۲۵

دعاؤں میں عبارتیں مسجع نہ کرو، میں نے دیکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے اصحاب ایسا کرنے سے بچتے تھے۔

۱۷۔مدعو کی زبان سے واقفیت

عرب اگر چہ عربی زبان بولتے تھے، لیکن ان کے مختلف قبائل اور علاقوں میں لہجوں کا اختلاف پایا جاتا تھا۔رسول اللہ ﷺ کے پاس بہت سے قبائل کے وفود آتے اور اسلام قبول کرتے تو آپؐ ان کے ساتھ ان ہی کی زبان اور لہجے میں گفتگو فرماتے۔اس کی وجہ یہ تھی کہ ابلاغ اور تفہیم کے لیے زبان کی اہمیت مسلم ہے۔دعوت و تبلیغ میں تاثیر اور قوت اسی وقت پیدا ہوسکتی ہے، جب پیغام کی زبان آسان، نرم اور قابل فہم ہو، اور اگر اس کے ساتھ ساتھ داعی مدعو کی زبان سے بھی واقفیت رکھتا ہو تو دعوت کا کام مزید آسان ہوجاتا ہے، کیونکہ ہم زبانی سے انسیت میں اضافہ ہوتا ہے ،اجنبیت دور ہوتی ہے اور گفتگو کا مقصد آسانی سے سمجھا اور سمجھایا جا سکتا ہے۔خود رسول اللہ ﷺ نے اس اسلوب کو اختیار فرمایا تھا۔خطیب بغدادی نے اپنی سند سے کعب بن عاصم الاشعری کا قول نقل کیا ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو اشعریوں کے مخصوص لہجے میں بات کرتے سنا۔اشعریوں کی لغت میں لام میم سے تبدیل کرلیا جاتا ہے۔۲۶ آپؐ نے اپنے لہجے کو چھوڑ کر مخاطب کے لہجے کو اختیار فرمایا۔اس عمل

سے مدعو پر خوشگوار اثر پڑتا ہے اور اسے اپنائیت اور قربت پیدا ہوتی ہے۔اسی ضرورت کے پیش نظر آپؐ نے حضرت زیدؓ بن ثابت کو سریانی زبان سیکھنے کا حکم دیا تھا، تاکہ یہود سے انہی کی زبان میں گفتگو کی جاسکے اور انہی کی زبان میں ان کے خطوط کا جواب دیا جاسکے۔

۱۸۔عزّتِ نفس کی رعایت

اگر داعی غلطی کرنے والے کو براہ راست مخاطب کرنے کے بجائے اشارے کنایے میں اس کی غلطی کو واضح کرتا ہے تو اس صورت میں غلطی کرنے والے کی عزتِ نفس مجروح نہیں ہوتی۔ دعوت کا یہ اسلوب اس وقت موثر ہوتا ہے جب مخاطب کی غلطی عام لوگوں سے پوشیدہ ہو،لیکن اگر اکثر لوگوں کو اس کا علم ہو اور اسے معلوم ہو کہ اکثر لوگ یہ بات جانتے ہیں تو اس صورت میں دعوت وتبلیغ کا یہ اسلوب سخت زجروتوبیخ کا حامل اور غلطی کرنے والے کے لیے رسوائی کا باعث بن جاتا ہے۔اس صورت میں بہتر یہ ہے کہ اس کو براہ راست سرزنش کر دی جائے اور یہ اسلوب اختیار نہ کیا جائے۔ اگر بات بھلائی اور خیر خواہی کے جذبے سے کی جائے تو یہ ایسا انداز تربیت ہے جس سے غلطی کرنے والے کو بھی فائدہ ہوتا ہے۔ایسے ہی ایک موقع پر نبی کریم ﷺ نے اہل مکہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

یااھل مکة !ماشان النّاس یاتُون شُعثاًو انتم مدّھنون؟ اھلُّوا اذارأیتم الھلال ۲۸	اے اہل مکہ ! کیا بات ہے کہ لوگ جب تمھارے پاس آتے ہیں تو ان کے بال بکھرے ہوئے ہوتے ہیں اور تم تیل لگاتے ہو؟ تم چاند دیکھ کر احرام باندھ لیا کرو۔

اس اسلوب دعوت کا قلبِ انسانی پر گہرا اثر ہوتا ہے اور انسان فوراًا پنی اصلاح کر لیتا ہے۔اس سے غلطی کرنے والے کی عزت نفس مجروح نہیں ہوتی ،جس کی وجہ سے غلطی کرنے والے کے دل میں داعی اور نصیحت کرنے والے کی قدر ومنزلت اور محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔

۱۹۔ تمثیل وقصص سے معاونت

مخاطب کو دعوت کی طرف متوجہ کرنے کے لیے قصوں اور کہانیوں کی زبان میں بات کرنا انسانی نفسیات کا ایک عمدہ اسلوب ہے، کیونکہ قصوں اور کہانیوں کے پیرائے میں اگر بات کی جائے تو مخاطب واقعات کا تسلسل جاننے کے لیے ہمہ وقت داعی کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ دور قدیم سے ہی تمام معاشروں میں یہ ایک معروف چیز رہی ہے۔ قرآن حکیم نے بھی لوگوں کی اس فطرت کو جانتے ہوئے قصص کو بہ طور ذریعۂ تربیت و دعوت اختیار کیا ہے۔ مکالمانہ انداز اور سوال و جواب کا اسلوب مخاطب کے ذہن وفکر کو متوجہ کرنے میں کافی مددگار ثابت ہوتا ہے۔ قرآن حکیم نے انتہائی اختصار کے ساتھ قصص اور واقعات کی دعوتی اور تربیتی تاثیر کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِأُولِي الْأَلْبَابِ (یوسف:۱۱۱)	بے شک ان کے قصوں میں اہل فہم کے لیے بڑی عبرت ہے۔

واعظانہ اسلوبِ دعوت کے مقابلہ میں یہ اسلوب زیادہ اثر انگیز ہے، کیونکہ اس صورت میں متکلم اور سامع کے درمیان براہ راست گفتگو ہوتی ہے اور حقائق کو ہلکے پھلکے انداز میں مخاطب کے ذہن میں بٹھا دیا جاتا ہے۔

۲۰۔ مداومتِ عمل

تعلیمات نبوی کا اگر جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت ابھر کر سامنے آتی ہے کہ اسلام میں اعتدال اور مداومتِ عمل دونوں کی تاکید کی گئی ہے۔ مداومتِ عمل وہ راستہ ہے جو اعتدال کی منزل پر منتج ہوتا ہے اور اعتدال اسلام کی نظر میں ہر معاملے میں پسندیدہ ہے۔

کسی بھی کام کی ایک ترتیب ہے۔ مسلسل ایک معمول کے طور پر نیک نیتی کے ساتھ کام کرنے سے انسان کے مزاج میں توازن بھی پیدا ہوتا ہے اور اس میں استقامت جیسی مفید اور مطلوب صفت بھی پروان چڑھتی ہے۔ یہ عمل کی ایک اضافی

خوبی ہے، اس لیے کسی کام میں مداومت جہاں اس بنا پر ہمارے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ کا حکم ہے اور رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ حسنہ اس کی تاکید کرتا ہے، وہیں ایک اچھا انسان بننے کے لیے بھی یہ صفت نہایت ضروری ہے۔ آپؐ کا فرمان مبارک ہے:

إنّ أحبّ الأعمال الی الله أدومها وإن قلّ ۲۹ — اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ عمل وہ ہے جو ہمیشہ کیا جائے، خواہ وہ تھوڑا ہی ہو۔

معلوم ہوا کہ دعوت جیسے عظیم الشان عمل کے لیے مداومت لازمی ہے۔ یہ اس میدان میں کامیابی کا مرکزی نکتہ ہے۔ ورنہ اگر داعی کسی مرحلے میں ہمت ہار جائے یا حالات کے آگے سپر ڈال دے تو دعوت کا کام وہیں رک جائے گا۔

۲۱۔ مباحثے میں شائستگی کا لحاظ

اپنے نکتہ کی وضاحت اور اس کے حق میں دلیل دیتے وقت بعض اوقات مباحثہ ضروری ہوجاتا ہے، لیکن بحث و مباحثہ عمدہ طریقہ سے اور شائستگی کے ساتھ کیا جانا چاہیے۔ اگر بات دلائل اور براہین کی روشنی میں کی جائے تو وہ مؤثر ہوگی، کیونکہ انسان کی فطرت کا خاصہ ہے کہ وہ دلیل سے متاثر ہوتا ہے اور جو بات وہ دلیل کے بغیر ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتا اس کو مضبوط دلیل کی موجودگی میں تسلیم کرلیتا ہے۔ ابنِ اثیر کی روایت ہے کہ جب حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ رسول اللہ ﷺ کا گرامی نامہ لے کر مقوقس شاہ مصر کے دربار میں پہنچے تو دونوں کے درمیان حسب ذیل مکالمہ ہوا:

مقوقس: مجھ سے اپنے صاحب کی حالت بیان کرو، کیا وہ نبی ہیں؟

حاطبؓ: ہاں! بے شک وہ اللہ کے رسول ہیں۔

مقوقس: پھر انہوں نے اپنی قوم پر بددعا کیوں نہیں کی؟ جبکہ ان کی قوم نے ان کو ان کے شہر سے نکالا۔

حاطبؓ: عیسیٰ بن مریمؑ کی نسبت تو آپ خود کہتے ہیں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں، پھر جب ان کی قوم نے ان کو سولی دینے کا ارادہ کیا تو انھوں نے کیوں نہ انہیں

بد دعا دی۔ یہاں تک کہ اللہ نے ان کو آسمان پر اٹھا لیا؟

مقوقس : تم نے اچھا جواب دیا۔تم حکیم ہو اور حکیم کے پاس سے آئے ہو۔[۳۰]

کسی بات کے موثر ابلاغ وافہام کے لیے جس طرح انسان کی نفسی کیفیات، جسمانی حالات اور علاقائی نفسیات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے اسی طرح اس کے عقلی، ذہنی اور فکری رجحانات و میلانات کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔دین اسلام ساری دنیا کے لیے اور سب انسانوں کے لیے ہے، لیکن اسے پیش کرنے اور اس کو سب انسانوں تک پہنچانے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے مخاطب و مدعو کا تعین کیا جائے، یہ دیکھا جائے کہ اس خطاب اور دعوت کا رخ اس کے ماننے والوں کی طرف ہے یا انکار کرنے والوں کی طرف، عوام سے ہے یا خواص سے، جدید تعلیم یافتہ حضرات سے ہے یا نوجوانوں سے یا سن رسیدہ بزرگوں سے۔اسی طرح مخاطب اور مدعو بدلنے پر یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ اس وقت دعوت کا مخاطب کون ہے؟ اور اس کے لیے کون سا طریقۂ دعوت مناسب ہے؟ حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ گفتگو مخاطب کے ذہن و فکر کو سامنے رکھ کر اور موقع و محل کی مناسبت سے کی جائے، بالکل اسی طرح جس طرح بیج کے نشو ونما پانے کے لیے صرف بیج کی صلاحیتوں پر ہی اعتماد نہیں کیا جا سکتا، بلکہ زمین کی تیاری اور موسم کی سازگاری کا بھی لحاظ رکھنا پڑتا ہے۔

۲۲۔نعمتوں سے محرومی کا خوف دلانا

دعوت وتبلیغ کے اسالیب میں سے ایک اسلوب یہ ہے کہ مخاطبین دعوت کو اللہ تعالیٰ کی جو نعمتیں حاصل ہیں، وہ انہیں یاد دلائی جائیں اور انہیں متنبہ کیا جائے کہ وہ اللہ کی اطاعت کریں، تاکہ یہ نعمتیں برقرار رہیں اور انہیں باخبر کیا جائے کہ اگر انہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کو نظر انداز کیا اور کفر کی روش جاری رکھی تو یہ نعمتیں زائل ہو سکتی ہیں اور اللہ کا عذاب آ سکتا ہے۔حضرت سلمان فارسیؓ نے ایک موقع پر ایک عرب کی

غلطی پر تمام عربوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ''کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تم لوگوں سے اللہ کے دیئے ہوئے شرفِ انسان کو چھین لو؟ اللہ کی قسم! تم لوگ ایسی حرکتوں سے باز آجاؤ ورنہ اللہ تعالیٰ وہ سب کچھ تم سے واپس لے گا جو تمہارے پاس ہے اور اسے غیروں کو عطا کر دے گا''۔ [۳۱]

۲۳۔ ہر حال میں مدعو کی ہدایت کی فکر

داعیانِ دین کو چاہیے کہ اپنے مخاطبین کو ہمہ وقت اپنی بے غرضی اور ایثار کا احساس دلاتے رہیں اور ان کی ہدایت کی فکر ہر وقت ان کے ذہن و دماغ پر مستولی رہے۔ ہر نبی نے اپنے مخاطبین کو یہ یقین دلایا کہ وہ اس دعوت کے ذریعے کوئی ذاتی مفاد یا مالی منفعت حاصل نہیں کرنا چاہتے۔ غزوۂ احد میں رسول اللہ ﷺ کو شدید جسمانی تکالیف سے گزرنا پڑا، مگر آپؐ نے اپنے دشمنوں کے لیے دعائے خیر ہی کی۔ فرمایا:

الھم اغفر لقومی فانھم لایعلمون [۳۲]	اے اللہ! میری قوم کو بخش دے۔ یہ حقیقت کا علم نہیں رکھتے۔

طائف کے سفر میں آپؐ سے جو سلوک روا رکھا گیا اس سے کون آگاہ نہیں، مگر آپؐ نے تکلیف پہنچانے والوں کے حق میں بد دعا نہیں کی، بلکہ ان کی آئندہ نسلوں کے راہ یاب ہونے کی امید رکھی۔ جب فرشتوں نے آپؐ سے کہا کہ اگر آپ چاہیں تو ان لوگوں کو دو پہاڑوں کے درمیان پیس کر رکھ دیا جائے تو آپؐ نے فرمایا:

بل أرجو ان یُخرج الله من أصلابھم من یعبد الله وحده لایشرک به شیئاً۔ [۳۳]	نہیں، بلکہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسل سے ایسے لوگ پیدا کرے گا جو صرف اسی کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ بالکل شرک نہ کریں گے۔

۲۴۔ عزم و استقلال

عزم و استقلال کی بنیاد درحقیقت انسان کے یقین پر ہوتی ہے۔ رسول اللہ

ﷺ کو اپنے خدائی مشن کی کامیابی کا اس درجہ یقین حاصل تھا کہ آپؐ جب تنہا تھے تب بھی اپنے کام کے بارے میں ہر طرح کے کامل عزم کے حامل تھے، جب دشمنوں میں گھرے ہوئے تھے تب بھی آپؐ کا عزم کامل تھا اور جب فتوحات کا در وا ہوا تب بھی آپؐ روزِ اول ہی کی مانند اپنے سفر پر گام زن تھے۔ کسی بھی مرحلے پر آپؐ کا اعتماد متزلزل نہ ہوا۔ آپؐ کا ہر قدم واضح اور ہر اقدام روشن تھا۔ دعوت اسلامی کو جبر و طاقت کے حربوں سے روکنے میں ناکامی کے بعد قریش مکہ نے لالچ کے راستے سے آپؐ کے عزم و استقلال کو چیلنج کیا اور آپؐ کے سامنے حکومت و بادشاہت، مال و دولت اور حسن کی پیش کش کی۔ یہ مواقع بہادر سے بہادر انسان کے بھی پایۂ ثبات کو ڈگمگانے کے لیے کافی ہوتے ہیں، مگر نبی اکرم ﷺ کے لیے یہ چیزیں بھی کوئی کشش نہیں رکھتی تھیں۔

جب قریش کو ہر طرح سے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور ان کی جھنجھلاہٹ عروج پر پہنچ گئی تو انہوں نے آپؐ کے سرپرست چچا ابوطالب پر بہت دباؤ ڈالا، چنانچہ وہ بھی آپؐ کو نرمی کا مشورہ دینے لگے۔ اس پر آپؐ نے یہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا:

یا عم، والله لو وضعوا الشمس فی یمینی، والقمر فی یساری علی ان أترک هذا الامر حتی یظهره الله، أو اهلک فیه، ما ترکته ۳۴	اے چچا! اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند بھی لاکر رکھ دیں کہ میں یہ کام چھوڑ دوں تب بھی میں اس سے باز نہ آؤں گا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے غالب کردے یا میں اسی راہ میں کام آجاؤں۔

رسول اللہ ﷺ نے نہ صرف یہ کہ خود عملی طور پر عزم و استقلال کا اعلیٰ ترین نمونہ پیش فرمایا، بلکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی اس کی تلقین فرمائی۔ ایک مرتبہ مخالفین کی جانب سے مسلمانوں کو پہنچائی جانے والی تکالیف سے تنگ آکر بعض صحابۂ کرام نے آپؐ سے دعا کی درخواست کی تو آپؐ نے فرمایا:

قد كان من قبلكم يؤخذ الرجل فيحفر له في الارض ثم يوتى بالمنشار فيجعل على رأسه فيجعل فرقتين مايصرفه ذلك عن دينه، ويمشط بامشاط الحديد مادون عظمه من لحم وعصب مايصرفه ذلك عن دينه، والله ليتمّنّ الله هذا الأمر حتى يسير الراكب مابين صنعاء وحضر موت مايخاف الا الله والذئب على غنمه ولكنكم تعجلون۔ ۳۵

تم سے پہلے جو لوگ گزر چکے ہیں انھیں زمین میں گاڑ کر اور ان کے جسموں پر آرے چلاکر ان کے دو ٹکڑے کردیے گئے، مگر وہ اپنے دین سے نہیں پھرے۔ لوہے کی کنگھیوں سے ان کی کھالیں تک اتار لی گئیں اور ان کے گوشت نوچ لیے گئے، مگر وہ اپنے مذہب سے نہیں پھرے، اللہ کی قسم! اللہ اس کام کو پورا کرکے رہے گا، یہاں تک کہ صنعاء سے حضرموت تک آدمی سفر کرے گا، مگر اسے اللہ کے سوا کسی کا خوف نہیں ہوگا، ہاں اسے بس یہ ڈر ہوگا کہ کہیں اس کی بکریوں کو بھیڑیا نہ اچک لے جائے، لیکن تم لوگ جلدی کرتے ہو۔

حاصلِ کلام

امت کے ہر فرد پر دعوت وتبلیغ کی ذمہ داری کسی نہ کسی درجے میں عائد ہوتی ہے، اس لیے دعوت کو کوئی مخصوص پیشہ ورانہ کام قرار نہیں دیا جا سکتا اور نہ اسے دین کے دیگر شعبہ جات سے الگ کیا جا سکتا ہے۔ ہر مسلمان اپنی جگہ ایک داعی ہے، جو اپنی اپنی ضرورت اور ماحول کے مطابق، گھر سے لے کر دفتر تک اور دکان سے لے کر بازار تک ملنے والے ان گنت مواقعِ دعوت کو اپنے اس فریضے کی انجام دہی میں استعمال کر سکتا ہے۔ شرط صرف اتنی ہے کہ جو چیز ہم پہنچائیں اس کا صحیح اور مکمل علم ہمارے پاس ہو، اور ہم وہ دردمند دل رکھتے ہوں جو پوری دل سوزی کے ساتھ دعوتی ذمے داری کی انجام دہی کر سکے۔ اس سلسلے میں ہمارے لیے مشعلِ راہ صرف اور صرف تعلیماتِ نبوی ﷺ ہی ہوسکتی ہیں۔

حواشی ومراجع

۱۔ صحیح بخاری، کتاب العلم، باب قول النبی ﷺ رب مبلغ اوعی من سامع، ۶۷
۲۔ جامع ترمذی، ابواب الفتن، باب ماجاء فی الامر بالمعروف والنھی عن المنکر، ۲۱۶۹
۳۔ ڈاکٹر خالد علوی، رسول اکرم ﷺ کا منہاج دعوت، دعوہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۰۵ء، ص ۱۴
۴۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ج ا، ص ۵۸۱
۵۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب وجوب غسل البول وغیرہ من النجاسات، ۲۸۵
۶۔ آلوسی، روح المعانی
۷۔ صحیح مسلم، باب فی المساجد، ۶۷۴
۸۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ
۹۔ صحیح مسلم، حوالہ سابق
۱۰۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب بعث ابی موسیٰ ومعاذ الی یمن، ۴۳۴۷
۱۱۔ صحیح بخاری، کتاب العلم باب ما کان النبی یتخولھم بالموعظہ الحسنۃ، ۶۹
۱۲۔ صحیح بخاری، کتاب الوضوء، ۲۲۰
۱۳۔ ابن اثیر، ابوالحسن علی بن ابی البکر محمد بن الجزری (م ۶۳۰ھ)، اسد الغابۃ، تذکرہ حاطب بن ابی بلتعۃ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، س۔ن، ج ا، ص ۳۶۲
۱۴۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب ذکر التوبۃ، ۴۲۵۱
۱۵۔ صحیح بخاری، کتاب الدعوات، باب ما یکرہ من السجع فی الدعاء، ۶۳۳۷
۱۶۔ جامع ترمذی، ابواب العلم، باب ما جاء فی فضل الفقہ علی العبادۃ، ۲۶۸۲
۱۷۔ موطا امام مالک، باب حسن الخلق
۱۸۔ جامع ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی المداراۃ، ۱۹۹۶
۱۹۔ صحیح بخاری، کتاب العلم، باب من جعل لاھل العلم ایاما معلومۃ، ۷۰
۲۰۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب فضل من استبرأ لدینہ، ۵۲
۲۱۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب فی سخائہ، ۶۰۲۲
۲۲۔ مسلم، کتاب الایمان، باب بیان ان الدین النصیحۃ، ۵۵

۲۳ بیہقی، شعب الایمان، دارالکتب العلمیہ، بیروت۔۱۹۹۰ء، ۷۴۴۸
۲۴ صحیح مسلم، کتاب الجمعۃ، باب تخفیف الصلوۃ والخطبۃ، ۲۰۰۹
۲۵ صحیح بخاری، کتاب الدعوت، باب ما یکرہ من السجع فی الدعاء، ۶۳۳۷
۲۶ خطیب بغدادی، الکفایۃ فی علم الروایۃ، دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباددکن، ۱۳۵۷ھ، ص۱۸۳
۲۷ مسند احمد، حدیث زید بن ثابت: ۱۱۰۸۱۔ ج۶، ص ۲۳۸
۲۸ مؤطا امام مالک، کتاب الحج، باب اہلال مکۃ ومن بھا من غیرھم
۲۹ مسند احمد، ج۷، ص۳۸۱
۳۰ اسد الغابۃ، تذکرہ حاطب بن ابی بلتعۃ، ج۱، ص۳۶۲
۳۱ ابونعیم، الاصفہانی، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، تذکرہ سلمان فارسی، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۷ء، ج۱، ص۲۶۰
۳۲ صحیح مسلم، کتاب الجہاد، باب غزوۃ احد......
۳۳ صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب اذا قال احدکم......
۳۴ ابن ھشام، السیرۃ النبویۃ، دارالمعرفۃ، بیروت، ۱۹۹۸ء، ج۲، ص۴، ۵
۳۵ سنن ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب فی الامیر یکرہ علی الکفر

☆☆☆

دعوت وتربیت-اسلام کا نقطۂ نظر

مولانا سید جلال الدین عمری

یہ کتاب دوطرح کے مضامین پر مشتمل ہے۔ کچھ مضامین دعوتی نوعیت کے ہیں، جن میں میں پورے زور اور قوت کے ساتھ امت کو فریضۂ دعوتِ دین کی ادائیگی کی جانب توجہ دلائی گئی ہے۔ کچھ مضامین تربیتی اور اصلاحی نوعیت کے ہیں، جن میں امت کو اصلاح احوال کی جانب متوجہ کیا گیا ہے اور اس کی تدابیر بتائی گئی ہیں۔ صفحات: ۱۳۶، قیمت-/۵۰ روپے

ملنے کے پتے

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی، پوسٹ بکس نمبر: ۹۳، علی گڑھ-۱

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی-۲۵